QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

اسلامی تصورِ فلاح اور عصرِ حاضر کے سماجی مسائل: قرآن کریم اور سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں انسانی بہبود کا تجزیاتی مطالعہ

The Islamic Paradigm of Human Well-Being and Contemporary Challenges: An Analytical Study in the Light of the Qur'an and Prophetic Seerah

Tayyaba Abdus Sattar
M.Phil. Scholar, Department of Islamic Studies, Riphah International University, Faisalabad Campus, Punjab, Pakistan.
Email: m29570947@gmail.com
Dr. Faizan Hassan Javed
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Riphah International University, Faisalabad Campus, Punjab, Pakistan. Email: engr.faizan@riphahfsd.edu.pk

Abstract:
The contemporary world is grappling with profound socio-economic crises, including widening wealth inequality, social fragmentation, and the limitations of purely materialistic models of human development. In response to these modern challenges, this study examines the Islamic paradigm of human well-being (*Falah*) and its contemporary relevance. Unlike conventional welfare frameworks that evaluate human prosperity solely through material and economic metrics, the Qur'anic worldview and the practical model of the Prophet Muhammad ﷺ articulate a holistic, multidimensional concept of well-being that seamlessly integrates spiritual integrity, moral development, social justice, economic security, and human dignity. Employing a qualitative, thematic, and analytical methodology, this research synthesizes primary textual evidence from the Qur'an and authentic Hadith corpora alongside classical Seerah literature and contemporary Islamic thought. The study demonstrates that the Islamic welfare model bridges the gap between individual spiritual growth and collective socio-economic justice through institutional mechanisms such as *Zakat*, *Infaq*, equitable wealth distribution, and ethical stewardship (*Khilafah*). The analysis reveals how the Prophetic model operationalized these foundational principles to establish a balanced and resilient society. The study concludes that the Qur'anic and Prophetic framework offers a transformative, human-centric model that directly addresses the structural flaws of modern welfare systems, providing actionable insights for sustainable development, social solidarity, and ethical governance in the contemporary era.

Keywords: Islamic Welfare Paradigm, Human Well-Being (Falah), Prophetic Seerah, Contemporary Socio-Economic Challenges, Social Justice, Human Dignity, Sustainable Development, Islamic Thought.

DOAJ
Academic Resource Index ResearchBib
Journament
CiteFactor
اردو جرائد
Eoi Electronic Object Identifier
I2OR
Cosmos

تمہید

اسلامی تعلیمات میں فلاحِ انسانی کا تصور محض مادی خوش حالی تک محدود نہیں بلکہ روحانی سکون، اخلاقی تربیت، انسانی وقار، معاشرتی عدل، معاشی تحفظ اور اجتماعی بہبود کو بھی شامل ہے۔ قرآن کریم نے انسانی فلاح کو ایمان، تقویٰ، عدل، نیک عمل اور حقوق العباد کی ادائیگی سے وابستہ کیا ہے، جبکہ سیرتِ نبوی ﷺ میں ان اصولوں کا عملی نمونہ موجود ہے۔

عصرِ حاضر میں غربت، معاشی ناہمواری، سماجی محرومی، انسانی حقوق کی پامالی اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم جیسے مسائل نے انسانی فلاح کے مؤثر اور جامع تصور کی ضرورت کو مزید اجاگر کیا ہے۔ اس تناظر میں قرآن و سیرتِ نبوی ﷺ کا تصورِ فلاح ایک متوازن نظام پیش کرتا ہے، جس میں فرد کی ترقی کے ساتھ معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری، عدل، مواخات، معاشی تعاون اور کمزور طبقات کا تحفظ شامل ہے۔

زیرِ نظر مطالعہ میں قرآن کریم اور سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں فلاحِ انسانی کے بنیادی اصولوں کا تجزیاتی جائزہ لیتے ہوئے ان کی عصرِ حاضر میں سماجی بہبود اور پائیدار معاشرتی ترقی کے لیے معنویت کو واضح کیا جائے گا۔

نظریہ فلاح قرآن کی روشنی میں

"ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ"[1]

"یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ہدایت ہے اُن پرہیز گاروں کے لیے۔"

اس کا ایک سیدھا سادھا مطلب تو یہ ہے کہ "بیشک یہ اللہ کی کتاب ہے۔" مگر ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ایسی کتاب ہے جس میں شک کی کوئی بات نہیں ہے۔ دنیا میں جتنی کتابیں امور مابعد الطبیعت اور حقائقِ ماوراء ادراک سے بحث کرتی ہیں وہ سب قیاس و گمان پر مبنی ہیں، اس لیے خود ان کے مصنّف بھی اپنے بیانات کے بارے میں شک سے پاک نہیں ہو سکتے خواہ وہ کتنے ہی یقین کا اظہار کریں۔ لیکن یہ ایسی کتاب ہے جو سراسر علم حقیقت پر مبنی ہے، اس کا مصنف وہ ہے جو تمام حقیقتوں کا علم رکھتا ہے، اس لیے فی الواقع اس میں شک کے لیے کوئی جگہ نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ انسان اپنی نادانی کی بنا پر اس کے بیانات میں شک کریں۔

"الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ"[2]

"جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے اُن کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

یہ قرآن سے فائدہ اٹھانے کے لیے دوسری شرط ہے۔ "غیب" سے مراد وہ حقیقتیں ہیں جو انسان کے حواس سے پوشیدہ ہیں اور کبھی براہ راست عام انسانوں کے تجربہ و مشاہدہ میں نہیں آتیں۔ مثلاً خدا کی ذات وصفات، ملائکہ، وحی، جنّت، دوزخ وغیرہ۔ ان حقیقتوں کو بغیر دیکھے ماننا اور اس اعتماد پر ماننا کہ نبی ان کی خبر دے رہا ہے، ایمان بالغیب ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان غیر محسوس حقیقتوں کو ماننے کے لیے تیار ہو صرف وہی قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ رہا وہ شخص جو ماننے کے لیے دیکھنے اور چکھنے اور سونگھنے کی شرط لگائے، اور جو کہے کہ میں کسی ایسی چیز کو نہیں مان سکتا جو ناپی اور تولی نہ جا سکتی ہو تو وہ اس کتاب سے ہدایت نہیں پا سکتا۔

یہ تیسری شرط ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صرف مان کر بیٹھ جانے والے ہوں وہ قرآن سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی ایمان لانے کے بعد فوراً ہی عملی اطاعت کے لیے آمادہ ہو جائے اور عملی اطاعت کی اوّلین علامت اور دائمی علامت نماز ہے۔ایمان لانے پر چند گھنٹے بھی نہیں گزرتے کہ مُؤَذِّن نماز کے لیے پکارتا ہے اور اسی وقت فیصلہ ہو جاتا ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والا اطاعت کے لیے بھی تیار ہے یا نہیں۔پھر یہ مُؤَذِّن روز پانچ وقت پکارتا رہتا ہے،اور جب بھی انسان اس کی پکار پر لبّیک نہ کہے اسی وقت ظاہر ہو جاتا ہے کہ مدّعی ایمان اطاعت سے خارج ہو گیا ہے۔پس ترک نماز دراصل ترک اطاعت ہے،اور ظاہر بات ہے کہ جو شخص کسی کی ہدایت پر کاربند ہونے کے لیے ہی تیار نہ ہو اس کے لیے ہدایت دینا اور نہ دینا یکساں ہے۔

”وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ“[3]

”جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے(یعنی قرآن)اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں7،اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔“

یہ پانچویں شرط ہے کہ آدمی ان تمام کتابوں کو برحق تسلیم کرے جو وحی کے ذریعے سے خدا نے محمد ﷺ اور ان سے پہلے کے انبیاء پر مختلف زمانوں اور ملکوں میں نازل کیں۔اس شرط کی بنا پر قرآن کی ہدایت کا دروازہ ان سب لوگوں پر بند ہے جو سرے سے اس ضرورت ہی کے قائل نہ ہوں کہ انسان کو خدا کی طرف سے ہدایت ملنی چاہیے،یا اس ضرورت کے تو قائل ہوں مگر اس کے لیے وحی و رسالت کی طرف رجوع کرنا غیر ضروری سمجھتے ہوں اور خود کچھ نظریات قائم کر کے انہی کو خدائی ہدایت قرار دے بیٹھیں،یا آسمانی کتابوں کے بھی قائل ہوں،مگر صرف اس کتاب یا ان کتابوں پر ایمان لائیں جنہیں ان کے باپ دادا مانتے چلے آئے ہیں،رہی اسی سرچشمے سے نکلی ہوئی دوسری ہدایات تو وہ ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیں۔ایسے سب لوگوں کو الگ کر کے قرآن اپنا چشمہء فیض صرف ان لوگوں کے لیے کھولتا ہے جو اپنے آپ کو خدائی ہدایت کا محتاج بھی مانتے ہوں،اور یہ بھی تسلیم کرتے ہوں کہ خدا کی یہ ہدایت ہر انسان کے پاس الگ الگ نہیں آتی بلکہ انبیاء اور کتب آسمانی کے ذریعے سے ہی خلق تک پہنچتی ہے،اور پھر وہ کسی نسلی و قومی تعصّب میں بھی مبتلا نہ ہوں بلکہ خالص حق کے پرستار ہوں،اس لیے حق جہاں جہاں جس شکل میں بھی آیا ہے اس کے آگے سر جھکا دیں۔

چھٹی اور آخری شرط ہے ”آخرت“ ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق بہت سے عقائد کے مجموعے پر ہوتا ہے۔اس میں حسب ذیل عقائد شامل ہیں:

1۔ یہ کہ انسان اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

2۔ یہ کہ دنیا کا موجودہ نظام ابدی نہیں ہے بلکہ ایک وقت پر،جسے صرف خدا ہی جانتا ہے،اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

3۔ یہ کہ اس عالم کے خاتمے کے بعد خدا ایک دوسرا عالم بنائے گا اور اس میں پوری نوع انسانی کو جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی،بیک وقت دوبارہ پیدا کرے گا،اور سب کو جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب لے گا، اور ہر ایک کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

4۔ یہ کہ خدا کے اس فیصلے کی رو سے جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ جنّت میں جائیں گے اور جو لوگ بد ٹھہریں گے وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

5۔ یہ کہ کامیابی و ناکامی کا اصلی معیار موجودہ زندگی کی خوشحالی و بدحالی نہیں ہے، بلکہ در حقیقت کامیاب انسان وہ ہے جو خدا کے آخری فیصلے میں کامیاب ٹھہرے، اور ناکام وہ ہے جو وہاں ناکام ہو۔

عقائد کے اس مجموعے پر جن لوگوں کو یقین نہ ہو وہ قرآن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاسکتے، کیونکہ ان باتوں کا انکار تو درکنار، اگر کسی کے دل میں ان کی طرف سے شک اور تذبذب بھی ہو، تو وہ اس راستہ پر نہیں چل سکتا جو انسانی زندگی کے لیے قرآن نے تجویز کیا ہے۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"[4]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ بڑھتا اور چڑھتا سُود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے"

احد کی شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین کامیابی کے موقع پر مال کی طمع سے مغلوب ہوگئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت لوٹنے میں لگ گئے۔ اس لیے حکیم مطلق نے اس حالت کی اصلاح کے لیے زر پرستی کے سرچشمے پر بند باندھنا ضروری سمجھا اور حکم دیا کہ سود خواری سے باز آؤ جس میں آدمی رات دن اپنے نفع کے بڑھنے اور چڑھنے کا حساب لگاتا رہتا ہے اور جس کی وجہ سے آدمی کے اندر روپے کی حرص بے حد بڑھتی چلی جاتی ہے۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"[5]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ، حق کی خدمت کے لیے کمربستہ رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔"

اصل عربی متن میں صابِرُوْا کا لفظ آیا ہے۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ کفار اپنے کفر پر جو مضبوطی دکھا رہے ہیں اور اس کو سربلند رکھنے کے لیے جو زحمتیں اٹھا رہے ہیں تم ان کے مقابلے میں ان سے بڑھ کر پامردی دکھاؤ۔ دوسرے یہ کہ ان کے مقابلہ میں ایک دوسرے سے بڑھ کر پامردی دکھاؤ۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"[6]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور اُس کی جناب میں باریابی کا ذریعہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جدوجہد کرو، شاید کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے"

یعنی ہر اس ذریعہ کے طالب اور جویاں رہوں جس سے تم اللہ کا تقرب حاصل کرسکو اور اس کی رضا کو پہنچ سکو۔ اصل میں لفظ جاھِدُو استعمال فرمایا گیا ہے جس کا مفہوم محض "جدوجہد" سے پوری طرح واضح نہیں ہوتا۔ مجاہدہ کا لفظ مقابلہ کا مقتضی ہے اور اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو قوتیں اللہ کی راہ میں مزاحم ہیں، جو تم کو خدا کی مرضی کے مطابق چلنے سے روکتی اور اس کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتی ہیں، جو تم کو پوری طرح خدا کی بندہ بن کر نہیں رہنے دیتیں اور تمہیں اپنا یا کسی غیر اللہ کا بندہ بننے پر مجبور کرتی ہیں، ان کے خلاف اپنی تمام امکانی طاقتوں سے کشمکش اور جدوجہد کرو۔ اسی جدوجہد پر تمہاری فلاح و کامیابی کا اور خدا سے تمہارے تقرب کا انحصار ہے۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"[7]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جُوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، اُمید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی۔"

اس آیت میں چار چیزیں قطعی طور پر حرام کی گئی ہیں۔ ایک شراب۔ دوسرے قمار بازی۔ تیسرے وہ مقامات جو خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنے یا خدا کے سوا کسی اور کے نام پر قربانی اور نذر و نیاز چڑھانے کے لیے مخصوص کیے گئے ہوں۔ چوتھے پانسے۔

شریعت کی رو سے یہ بات حکومت اسلامی کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ شراب کی بندش کے اس حکم کو بزورِ قوت نافذ کرے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بنی ثَقِیف کے ایک شخص رُوَیشِد نامی کی دکان اس بنا پر جلوادی گئی کہ وہ خفیہ طور پر شراب بیچتا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر ایک پورا گاؤں حضرت عمرؓ کے حکم سے اس قصور پر جلا ڈالا گیا کہ وہاں خفیہ طریقہ سے شراب کی کشید اور فروخت کا کاروبار ہو رہا تھا۔

"وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ"[8]

"اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے، یا اللہ کی نشانیوں کو جھٹلائے؟ یقیناً ایسے ظالم کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔"

یعنی یہ دعویٰ کرے کہ خدا کے ساتھ دوسری بہت سی ہستیاں بھی خدائی میں شریک ہیں، خدائی صفات سے متصف ہیں، خداوندانہ اختیارات رکھتی ہیں، اور اس کی مستحق ہیں کہ انسان ان کے آگے عبدیت کا رویہ اختیار کرے۔ نیز یہ بھی اللہ پر بہتان ہے کہ کوئی یہ کہے کہ خدا نے فلاں فلاں ہستیوں کو اپنا مقرّبِ خاص قرار دیا ہے اور اسی نے یہ حکم دیا ہے، یا کم از کم یہ کہ وہ اس پر راضی ہے کہ ان کی طرف خدائی صفات منسوب کی جائیں اور ان سے وہ معاملہ کیا جائے جو بندے کو اپنے خدا کے ساتھ کرنا چاہیے۔

اللہ کی نشانیوں سے مراد وہ نشانیاں بھی ہیں جو انسان کے اپنے نفس اور ساری کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں، اور وہ بھی جو پیغمبروں کی سیرت اور ان کے کارناموں میں ظاہر ہوئیں، اور وہ بھی جو کتب آسمانی میں پیش کی گئیں۔ یہ ساری نشانیاں ایک ہی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں، یعنی یہ کہ موجوداتِ عالم میں خدا صرف ایک ہے باقی سب بندے ہیں۔ اب جو شخص ان تمام نشانیوں کے مقابلہ میں کسی حقیقی شہادت کے بغیر، کسی علم، کسی مشاہدے اور کسی تجربے کے بغیر، مجرد قیاس و گمان یا تقلید آبائی کی بنا پر، دوسروں کو الوہیت کی صفات سے متصف اور خداوندی حقوق کا مستحق ٹھیراتا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ حقیقت و صداقت پر ظلم کر رہا ہے، اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہے اور کائنات کی ہر اس چیز پر ظلم کر رہا ہے جس کے ساتھ وہ اس غلط نظریہ کی بنا پر کوئی معاملہ کرتا ہے۔

"فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ"[9]

"پھر ہم خود پورے علم کے ساتھ سرگزشت ان کے آگے پیش کر دیں گے، آخر ہم کہیں غائب تو نہیں تھے"

"وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ"[10]

"اور وزن اس روز عین حق ہو گا۔ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس روز خدا کی میزان عدل میں وزن اور حق دونوں ایک دوسرے کے ہم معنی ہوں گے۔ حق کے سوا کوئی چیز وہاں وزنی نہ ہو گیا اور وزن کے سوا کوئی چیز حق نہ ہو گی۔ جس کے ساتھ جتنا حق ہو گا اتنا ہی وہ باوزن ہو گا۔ اور فیصلہ جو کچھ بھی ہو گا وزن کے لحاظ سے ہو گا، کسی دوسری چیز کا ذرہ برابر لحاظ نہ کیا جائے گا۔ باطل کی پوری زندگی خواہ دنیا میں وہ کتنی ہی طویل و عریض رہی ہو اور کتنے ہی بظاہر شاندار کارنامے اس کی پشت پر ہوں، اس ترازو میں سراسر بے وزن قرار پائے گی۔ باطل پرست جب اس میزان میں تولے جائیں گے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ دنیا میں جو کچھ وہ مدّت العمر کرتے رہے وہ سب ایک پرکاہ کے برابر بھی وزن نہیں رکھتا۔

"الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ"[11]

"جو اِس پیغمبر نبی اُمّی کی پیروی اختیار کریں(1) جس کا ذکر اُنہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے(2)۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے(3)، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے(4)۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اُس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

یہاں نبی ﷺ کے لیے "اُمّی" کا لفظ بہت معنی خیز استعمال ہوا ہے۔ بنی اسرائیل اپنے سوا دوسری قوموں کی اُمّی (Gentiles) کہتے تھے اور ان کا قومی فخر و غرور کسی اُمّی کی پیشوائی تسلیم کرنا تو درکنار، اس پر بھی تیار نہ تھا کہ اُمیّوں کے لیے اپنے برابر انسانی حقوق ہی تسلیم کرلیں۔ چناچہ قرآن ہی میں آتا ہے کہ وہ کہتے تھے لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّيْنَ سَبِيْلٌ[12] اُمیوں کے مال مار کھانے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ انہی کی اصطلاح استعمال کرکے فرماتا ہے کہ اب تو اسی اُمّی کے ساتھ تمہاری قسمت وابستہ ہے، اس کی پیروی قبول کرو گے تو میری رحمت سے حصہ پاؤ گے ورنہ وہی غضب تمہارے لیے مقدر رہے جس میں صدیوں سے گرفتار چلے آرہے ہو۔

"لَكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ"[13]

"بخلاف اس کے رسولؐ نے اور ان لوگوں نے جو رسولؐ کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی جان و مال سے جہاد کیا اور اب ساری بھلائیاں انہی کے لیے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

یعنی اگر یہ آیت خدا کی نہیں ہیں اور میں انہیں خود تصنیف کرکے آیات الٰہی کی حیثیت سے پیش کر رہا ہوں تو مجھ سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔ اور اگر یہ واقعی اللہ کی آیات ہیں اور تم ان کو جھٹلا رہے ہو تو پھر تم سے بڑا بھی کوئی ظالم نہیں۔

"فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ"[14]

"پھر اُس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو ایک جھوٹی بات گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے یا اللہ

کی واقعی آیات کو جھوٹا قرار دے۔ یقیناً مجرم کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔"

بعض نادان لوگ "فلاح" کو طویل عمر، یا دنیوی خوشحالی، یا دنیوی فروغ کے معنی میں لے لیتے ہیں، اور پھر اس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کر کے جیتا رہے، یا دنیا میں پھلے پھولے، یا اس کی دعوت کو فروغ نصیب ہو، اسے نبی برحق مان لینا چاہیے کیونکہ اس نے فلاح پائی۔ اگر وہ نبی برحق نہ ہوتا تو جھوٹا دعویٰ کرتے ہی مار ڈالا جاتا، یا بھوکوں مار دیا جاتا اور دنیا میں اس کی بات چلنے ہی نہ پاتی۔ لیکن یہ احمقانہ استدلال صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو نہ تو قرآنی اصطلاح "فلاح" کا مفہوم جانتا ہو، نہ اس قانون امہال سے واقف ہو جو قرآن کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے مجرموں کے لیے مقرر فرمایا ہے، اور نہ یہی سمجھتا ہو کہ اس سلسلہ بیان میں یہ فقرہ کس معنی میں آیا ہے۔

علاوہ بریں قرآن میں جگہ جگہ یہ بات پوری تشریح کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کو پکڑنے میں جلدی نہیں کیا کرتا بلکہ انہیں سنبھلنے کے لیے کافی مہلت دیتا ہے، اور اگر وہ اس مہلت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اور زیادہ بگڑتے ہیں تو اللہ کی طرف سے ان کو ڈھیل دی جاتی ہے اور بسا اوقات ان کو نعمتوں سے نوازا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے نفس کی چھپی ہوئی تمام شرارتوں کو پوری طرح ظہور میں لے آئیں اور اپنے عمل کی بنا پر اس سزا کے مستحق ہو جائیں جس کے وہ اپنی بری صفات کی وجہ سے فی الحقیقت مستحق ہیں۔ پس اگر کسی جھوٹے مدعی کی رسی دراز ہو رہی ہو اور اس پر دنیوی "فلاح" کی برسات برس رہی ہو تو سخت غلطی ہوگی اگر اس کی اس حالت کو اس کے برسر ہدایت ہونے کی دلیل سمجھا جائے۔ خدا کا قانون امہال و استدراج جس طرح تمام مجرموں کے لیے عام ہے اسی طرح جھوٹے مدعیان نبوت کے لیے بھی ہے اور ان کے اس مستثنیٰ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ پھر شیطان کو قیامت تک کے لیے جو مہلت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس میں بھی یہ استثنا کہیں مذکور نہیں ہے کہ تیرے اور تو سارے فریب چلنے دیے جائیں گے لیکن اگر تو اپنی طرف سے کوئی نبی کھڑا کرے گا تو یہ فریب نہ چلنے دیا جائے گا۔

"وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ"[15]

"اور یہ جو تمہاری زبانیں جھُوٹے احکام لگایا کرتی ہیں کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ حرام، تو اس طرح کے حکم لگا کر اللہ پر جھُوٹ نہ باندھا کرو۔ (1) جو لوگ اللہ پر جھُوٹے افترا باندھتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہیں پایا کرتے۔"

یہ آیت صاف تصریح کرتی ہے کہ خدا کے سوا تحلیل و تحریم کا حق کسی کو بھی نہیں، یا بالفاظ دیگر قانون ساز صرف اللہ ہے۔ دوسرا جو شخص بھی جائز اور ناجائز کا فیصلہ کرنے کی جرأت کرے گا وہ اپنے حد سے تجاوز کرے گا، الا یہ کہ وہ قانون الٰہی کو سند مان کر اس کے فرامین سے استنباط کرتے ہوئے یہ کہے کہ فلاں چیز یا فلاں فعل جائز ہے اور فلاں ناجائز۔

اس خود مختارانہ تحلیل و تحریم کو اللہ پر جھوٹ اور افترا اس لیے فرمایا گیا کہ جو شخص اس طرح کے احکام لگاتا ہے اس کا یہ فعل دو حال سے خالی نہیں ہو سکتا۔ یا وہ اس بات کا دعوی کرتا ہے کہ جسے وہ کتاب الٰہی کی سند سے بے نیاز ہو کر جائز یا ناجائز کہہ رہا ہے اسے خدا نے جائز یا ناجائز ٹھیرایا ہے۔ یا اس کا دعوی یہ ہے کہ اللہ نے تحلیل و تحریم کے اختیارات سے دست بردار ہو کر انسان کو خود اپنی زندگی کی شریعت بنانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا ہے۔ ان میں سے جو دعوی بھی وہ کرے وہ لامحالہ جھوٹ اور اللہ پر افترا ہے۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"[16]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، رکوع اور سجدہ کرو، اپنے ربّ کی بندگی کرو، اور نیک کام کرو، شاید کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔"

یعنی فلاح کی توقع اگر کی جاسکتی ہے تو یہ روش اختیار کرنے سے کی جاسکتی ہے۔ لیکن جو شخص بھی یہ روش اختیار کرے اسے اپنے عمل پر گھمنڈ نہ ہونا چاہیے کہ میں جب ایسا عبادت گزر اور نیکوکار ہوں تو ضرور فلاح پاؤں گا، بلکہ اسے اللہ کے فضل کا امیدوار رہنا چاہیے اور اسی کی رحمت سے توقعات وابستہ کرنی چاہئیں۔ وہ فلاح دے تب ہی کوئی شخص فلاح پاسکتا ہے۔ خود فلاح حاصل کرلینا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

"قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ"[17]

"یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے۔"

ایمان لانے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کی دعوت قبول کرلی آپ کو اپنا ہادی و رہبر مان لیا، اور اس طریق زندگی کی پیروی پر راضی ہوگئے جسے آپ نے پیش کیا ہے۔

"قَدْ اَفْلَحَ"، "یقیناً فلاح پائی" آغاز کلام ان الفاظ سے کرنے کی معنویت اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک وہ ماحول نگاہ میں نہ رکھا جائے جس میں یہ تقریر کی جا رہی تھی۔ اس وقت ایک طرف دعوت اسلامی کے مخالف سرداران مکہ تھے جن کی تجارتیں چمک رہی تھیں، جن کے پاس دولت کی ریل پیل تھی، جن کو دنیوی خوشحالی کے سارے لوازم میسر تھے۔ اور دوسری طرف دعوت اسلامی کے پیرو تھے جن میں سے اکثر تو پہلے ہی غریب اور خستہ حال تھے، اور بعض جو اچھے کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے یا اپنے کاروبار میں پہلے کامیاب تھے، ان کو بھی اب قوم کی مخالفت نے بدحال کر دیا تھا۔

"وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ"[18]

"اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے، جس کے لیے اُس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اُس کا حساب اُس کے ربّ کے پاس ہے۔ ایسے کافر کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔"

دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے اس کے لئے اپنے اس فعل کے حق میں کوئی دلیل نہیں ہے۔" یعنی وہ محاسبے اور باز پرس سے بچ نہیں سکتا۔ یہ پھر اسی مضمون کا اعادہ ہے کہ اصل میں فلاح پانے والے کون ہیں اور اس سے محروم رہنے والے کون۔

"فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ"[19]

"پس (اے مومن) رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین و مسافر کو (اس کا حق)۔ یہ طریقہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں، اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

یہ نہیں فرمایا کہ رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو خیرات دے۔ ارشاد یہ ہوا ہے کہ یہ اس کا حق ہے جو تجھے دینا چاہیے، اور حق ہی سمجھ کر تو اسے دے۔ اس کو دیتے ہوئے یہ خیال تیرے دل میں نہ آنے پائے کہ یہ کوئی احسان ہے جو تو اس پر کر رہا ہے، اور

تو کوئی بڑا ہستی ہے دان کرنے والی، اور وہ کوئی حقیر مخلوق ہے تیرا دیا کھانے والی۔ بلکہ یہ بات اچھی طرح تیرے ذہن نشین رہے کہ مال کے مالک حقیقی نے اگر تجھے زیادہ دیا ہے اور دوسرے بندوں کو کم عطا فرمایا ہے تو یہ زائد مال ان دوسروں کا حق ہے جو تیری آزمائش کے لیے تیرے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے تاکہ تیرا مالک دیکھے کہ تو ان کا حق پہچانتا اور پہنچاتا ہے یا نہیں۔

یہ مطلب نہیں ہے کہ فلاح صرف مسکین اور مسافر اور رشتہ دار کا حق ادا کر دینے سے حاصل ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی چیز حصول فلاح کے لیے درکار نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسانوں میں سے جو لوگ ان حقوق کو نہیں پہچانتے اور نہیں ادا کرتے وہ فلاح پانے والے نہیں ہیں، بلکہ فلاح پانے والے وہ ہیں جو خالص اللہ کی خوشنودی کے لیے یہ حقوق پہچانتے اور ادا کرتے ہیں۔

سیرت میں فلاح کا تصور

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل نادار غریب لوگ معاشرہ کا مظلوم ترین طبقہ تھا۔ آپ ﷺ نے عملی طور پر اس طبقہ کی دلجوئی فرمائی۔ یہ آپ ﷺ کی تعلیمات کا ہی ثمرہ تھا کہ دولت و ثروت بڑا ہونے کا معیار نہ رہا بلکہ تقویٰ معیار بنا۔ تعلیمات نبوی میں اس طبقہ سے ہمدردی و غمگساری کے پس پردہ ذاتی مفادات کا شائبہ تک نہیں، صرف اور صرف رضائے الٰہی مقصود ہے۔

آپ ﷺ نے اہل اسلام کو مشکل لمحات میں باہمی نصرت و اعانت کی ترغیب دلائی، اسی طرح اجتماعی طور پر معاشرہ کے افراد اور حکومت کو بھی اس سلسلہ میں ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا ہر ایک کو اس کی رعیت کے بارے میں ذمہ داریوں سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی امت کو جسد واحد قرار دے کر اس جانب متوجہ کیا کہ دوسروں کے لئے خدمات سرانجام دینے والے در حقیقت اپنی ضروریات کی تکمیل کر رہے ہوتے ہیں۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ"[20]

"جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے تو اللہ کی مدد اس کے شامل حال رہتی ہے۔"

اسلامی معاشرہ ایک Co-Operative Society کی طرح ہے۔ ایک دوسرے کی مالی ہی نہیں، اخلاقی مدد کرنا بھی فریضہ ہے، اسی لئے تو خندہ پیشانی سے ملنے کو بھی صدقہ قرار دیا گیا۔ یہاں تو بچت کا تصور ہی یہ ہے کہ مخلوق خدا پر رضائے الٰہی کے لئے جو کچھ خرچ کیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع ہوتا ہے۔ تعلیمات نبوی کے مطابق آسمان سے رحمت و برکت کا نزول انسانی خدمت پر موقوف ہے۔

فلاح کا مفہوم

فلاح، فلح سے ماخوذ ہے جو کہ ف ل ح کے مادہ سے ہے جس کے معنی راہ پانا، حاصل کرنا اور کامیابی حاصل کرنا ہیں۔[21]

قرآن مجید میں ہے:

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا"[22]

"وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنا تزکیہ کیا۔"

یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اصل کامیابی انسان کی ظاہری ترقی میں نہیں بلکہ اس کے باطن کی اصلاح میں ہے۔ "تزکیہ" سے مراد نفس کو گناہوں، برائیوں اور اخلاقی خرابیوں سے پاک کرنا ہے۔ جو شخص اپنے دل کو حسد، تکبر اور خواہشاتِ نفس سے پاک کر لیتا ہے، وہی حقیقی فلاح پاتا ہے۔ اس آیت میں انسان کو اپنی اصلاحِ نفس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کیونکہ یہی دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی کا راستہ ہے۔ گویا فلاح کا معیار مال و دولت نہیں بلکہ پاکیزہ کردار اور نیک اعمال ہیں۔

"قَدْ اَفْلَحَ الْمُوْ مِنُوْنَ"[23]

"مومن کامیابی حاصل کر گئے۔"

حقیقی کامیابی صرف اہلِ ایمان کے لیے ہے، کیونکہ وہ اپنے عقیدہ اور عمل دونوں کو درست رکھتے ہیں۔ یہاں "فلاح" سے مراد دائمی کامیابی ہے جو دنیا کی وقتی کامیابیوں سے کہیں بلند ہے۔ مؤمنین کی کامیابی کا راز ان کی صفات میں پوشیدہ ہے، جیسے خشوع کے ساتھ نماز ادا کرنا، لغویات سے بچنا اور اخلاقی پاکیزگی اختیار کرنا۔ اس آیت کے ذریعے واضح کیا گیا ہے کہ کامیابی کا معیار ایمان اور نیک اعمال ہیں، نہ کہ صرف دنیاوی ترقی۔ گویا جو شخص ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، وہی اصل میں کامیاب ہے۔

قرآن مجید کا تصورِ فلاح اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے اور اس فلاح کا تعلق صرف دنیاوی زندگی سے ہی نہیں بلکہ اُخروی زندگی پر بھی محیط ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ"[24]

"جو جہنم سے بچ گیا اور جنت میں چلا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔"

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، تُفْلِحُوا"[25]

"لوگو! لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآنی تصور کے مطابق اصل کامیابی وہ ہے جس سے دوزخ سے نجات اور جنت کا حصول ممکن ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آیت "قَدْاَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا" وہ کامیاب ہوا جس نے اپنا تزکیہ کیا، میں کامیابی کو تزکیہ سے مشروط کیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرائض منصبی میں سے ایک منصب "یزکیھم"[26] یعنی لوگوں کا تزکیہ کرنا بھی ہے تاکہ وہ ظاہری اور باطنی پاکیزگی حاصل کر کے دنیاوی اور اُخروی فلاح و کامیابی حاصل کر سکیں۔

فلاح و بہبود کا قرآنی و نبوی ﷺ تصور

انسانیت کی خدمت نمود و نمائش کے لئے نہ ہو بلکہ مقصود و مطلوب رضائے الٰہی ہو۔ اس خدمت کے بعد نہ احسان جتلایا جائے اور نہ ہی ضرورت مند کو ذلیل و رسوا کیا جائے۔ خرچ کرنے والوں کی قرآن نے یہ خوبی بیان کی ہے:

"الَّذِيْنَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ لَايُتْبِعُونَ مَاأَنفَقُوا مَنّاً وَلاَ أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَرَبِّهِمْ وَلَاخَوْفٌ عَلَيهِمْ وَلاَ هُم يَحْزَنُون"[27]

"جو لوگ اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہو اس پر کوئی منت اور احسان نہیں جتلاتے اور اذیت نہیں پہنچاتے ان کی جزا ان کے پروردگار کے ہاں محفوظ ہے اور انہیں کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔"

فلاح و بہبود کے کاموں میں ریاکاری اور نمود و نمائش سے بچنا از حد ضروری ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے ریاکاری کو شرک کی قسم قرار دیا ہے اور ایک ریاکار کے لئے احادیث میں بہت سخت وعید آئی ہے۔ جہنم کے نچلے درجے میں ایک ریاکار سخی بھی ہوگا۔

اسلام یہ قطعاً پسند نہیں کرتا کہ انسانی خدمت کے ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جو جائز نہیں بلکہ حرام ہیں۔ اسی لئے باطل ذرائع آمدن سے کی گئی خدمت اللہ کے ہاں قبول نہیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے:

"يسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيْرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَايُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبيِّنُ اللهُ لَكُمُ الآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ"[28]

"آپ سے شراب اور جوئے کی نسبت سوال کرتے ہیں، فرمادیں: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ (دنیوی) فائدے بھی ہیں مگر ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے، اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرمادیں: جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کردو)، اسی طرح اللہ تمہارے لئے (اپنے) احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔"

اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نکتہ کی بڑی خوبصورتی سے وضاحت کی:

"اس آیت نے اسلامی شریعت کا یہ مزاج واضح کر دیا کہ جو چیزیں اخلاقی اعتبار سے مضر ہیں اگر ان سے کوئی فائدہ بظاہر بنی نوع انسان کو پہنچتا بھی ہو یا پہنچایا بھی جا سکتا ہو تب بھی ان کے ضرر کے پہلو کے غلبہ کے سبب اسلام میں ان سے احتراز ہی واجب ہے۔"[29]

انسانی فلاح کا عملی اظہار خدمت خلق کی شکل میں رُونما ہوتا ہے اور اس بارے میں تعلیمات نبوی و سیرت طیبہ ہمارے لیے بہترین رہنمائی کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فلاح و خدمت انسانیت کے لیے سنہری اُصول متعین کیے ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"خَيْرُ النَّاسِ من يَنْفَعُ النَّاسِ"[30]

"تم میں سے بہتر انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع دے۔"

خدمت خلق کے یہ سنہرے اصول فلاح بنی آدم کا حقیقی مظہر ہیں، جن سے قوموں کی زندگیوں میں معاشی، معاشرتی، سماجی کامیابیاں رونما ہوتی ہیں۔ خدمت خلق کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ انسان کی اپنی ذات، عزیز و اقارب، پڑوسی، دوست احباب، عورت، غلام، قیدی، ذمی، غیر مسلم، جانور حتی کہ فصلوں تک کے حقوق متعین کر کے دراصل خدمت خلق کا درس دیا گیا ہے۔ اِس میں انفرادی اور اجتماعی فلاح کا راز مضمر ہے۔ تمام ادیان میں لوگوں کی بھلائی کا تصور ہے۔

فلاح و بہبود کیلئے آپ ﷺ کے عملی اقدامات

انسانیت کا درد اور محبت خاندان رسالت مآب ﷺ کا ایک خصوصی امتیاز تھا۔ آپ ﷺ کے جد امجد قصی نے سقایہ اور رفادہ جیسے خالص فلاح و بہبود کے مناصب قائم کئے عبد مناف کو جو دوسخا کی بنا پر "الفیاض" کا لقب عطا کیا گیا۔

قبل از نبوت فلاح و بہبود کے عملی اقدام

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب میں کوئی مضبوط سیاسی نظام نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے ایک سیاسی و سماجی انتشار پایا جاتا تھا، اور لوگوں کی جان و مال محفوظ نہ تھے، باز پرس کرنے والا کوئی نہ تھا، دورِ جہالت میں لوگوں پر ظلم و ستم اور ان کی حق تلفی بہت عام تھا۔ اس صورت حال کو بعض دردمند لوگوں نے بدلنا چاہا۔ مشورہ کے لیے عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اور یہ فیصلہ کیا کہ ظلم و زیادتی کو ہر قیمت پر روکا جائے گا۔ کسی بھی شخص پر چاہے وہ مکہ کا رہنے والا ہو یا باہر سے آیا ہو ظلم نہیں ہونے دیا

جائے گا۔ ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت کی جائے گی اور اسے اس کا حق دلوایا جائے گا اور ضرورت مندوں اور محتاجوں کی مدد کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس معاہدہ میں شریک تھے، یہ معاہدہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہوا تھا۔

قاضی سلیمان منصور پوری نے "قیام امن و نگرانی حقوق کی انجمن کا انعقاد" کے عنوان سے اس معاہدہ کا جو منشور تحریر کیا وہ درج ذیل ہے:

1۔ ہم ملک سے بدامنی دور کریں گے۔

2۔ ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے۔

3۔ ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔

4۔ ہم زیر دست پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے۔[31]

اس معاہدہ کے حوالہ سے سیرت نگاروں نے فلاح و بہبود عامہ کے پہلو کا ذکر کیا ہے۔

بعد از نبوت فلاح و بہبود کے عملی اقدام

بعد از نبوت آپ ﷺ نے نہ صرف چھوٹوں، بڑوں، والدین، اولاد، عورت، مرد، غلام نوکر، غیر مسلم بلکہ حیوانوں تک کے حقوق مقرر فرمائے۔ ان سے بھی آپ ﷺ کے جذبہ خیر خواہی کا علم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی، ہمدردی اور حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔ آپ ﷺ کو کسی نے دُکھ دیتے نہیں دیکھا بلکہ آپ ﷺ نے ہمیشہ ہی خیر و برکت کی باتیں کیں اور آپ ﷺ خدمت خلق کا باعث ہوئے۔

آپ ﷺ کا وجودِ مسعود ہی کائنات کے لیے رحمت تھا:

"وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ"[32]

"اے نبی ﷺ، ہم نے آپ کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

آپ ﷺ نے تجارت میں لوگوں کی خیر خواہی کا پہلو سامنے رکھا۔ کبھی کسی کے سامنے جھوٹ نہیں بولا۔ کسی پر زیادتی نہ کی۔ مال میں کوئی نقص ہوتا تو بتا دیتے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی تجارت کے لیے تشریف لے گئے تو وہاں بھی آپ ﷺ مال کے بارے میں ہر لحاظ سے وضاحت کرتے تھے۔

فلاح و بہبود کے لئے تعلیمی و تربیتی سرگرمیاں

قوموں کو اس وقت عروج حاصل ہوتا ہے جب علم میں ان کا مقام بلند ہوتا ہے۔ علم کی قدر و منزلت کی وجہ سے حضور ﷺ نے مسلمانوں کو علم کی طرف راغب کیا اور آنحضور ﷺ کے کئی ارشادات ہیں جن سے علم کی اہمیت روزِ روشن کی طرح واضح اور عیاں ہو جاتی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ"[33]

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

مسلمان پر حصولِ علم فرض قرار دیا تاکہ ایک مسلم دنیا کے رائج علوم میں ماہر ہو کر اپنی دنیوی اور اُخروی ہر زندگی کو آسان بنا سکے اور اپنے ملک اور قوم کی فلاح و کامیابی کے متعلق سوچے۔ اللہ تعالیٰ علم حاصل کرنے پر مسلمانوں کی حوصلہ افزائی یوں فرماتا ہے:

"إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآء"[34]

"حقیقت یہ ہے کہ بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔"

سیدنا صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں علم حاصل کرنے آیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَضَعُ أَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًى بِمَا يَصْنَعُ"[35]

"بے شک علم حاصل کرنے والے کے لیے فرشتے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اس چیز سے خوش ہو کر جو وہ کرتا ہے۔"

اصحاب صفہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بھی علم و عمل کی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"علم حاصل کرو اور اس کے لیے سکون و وقار بھی سیکھو اور جن سے تعلیم حاصل کرتے ہو ان کا احترام کرو اور متکبر عالموں میں سے نہ بن جاؤ۔"[36]

اہلِ صفہ مومنین کا وہ جلیل القدر گروہ ہے کہ جن کے احوال خبر دیتے تھے کہ ایمان کی حلاوت جس کو نصیب ہو جائے پھر اسے اپنی مفلوک الحالی، بھوک، پیاس اور دیگر تعیشات زندگی کی کوئی پرواہ نہیں رہتی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اسلوب اختیار کر کے اس اقامتی ادارہ کے طلباء کی اعانت فرمائی۔ اس سلسلہ میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

1۔ ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔

2۔ زکوٰۃ اور دیگر صدقات و تکافل کا ذریعہ ہیں لیکن ان کے علاوہ دوست احباب سے ملنے والے تحائف و ہدایہ بھی ایثار کرتے ہوئے مساکین تک پہنچانے چاہئیں۔

3۔ معاشرہ کے اہلِ ثروت اپنی استطاعت کے مطابق کسی ضرورت مند کی کفالت اپنے ذمے لیں۔

4۔ ایسے افراد کے لئے روزگار کی فراہمی کے اسباب پیدا کئے جائیں تاکہ تدریجاً ایسے افراد کی تعداد میں کمی آسکے۔

مواخات مدینہ

نئے علاقہ اور نئے لوگوں میں، اپنے علاقہ اور اعزاء و اقربا کو چھوڑ کر آبسنا، یقیناً صاحبان ایمان و تقویٰ ہی کے بس میں تھا۔ مدینہ منورہ کی نئی فضاء میں بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی احساسات و جذبات اور مشکلات و پریشانیوں کا خیال رکھا۔ ان حالات میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں مواخات قائم کی۔ یہ مواخات کثیر المقاصد تھی اس کے سیاسی، سماجی، اخلاقی، معاشی اور جذباتی سبھی پہلو اہم تھے۔

شفاخانوں کا قیام

اسلام سے قبل عرب میں علاج کرانا ایک لحاظ سے ہر شخص کا ذاتی یا زیادہ سے زیادہ خاندانی مسئلہ تھا۔ جسے طاقت اور وسائل کے مطابق حل کیا جاتا تھا۔ شفاء خانوں یا ہسپتالوں کا وجود نہیں تھا۔ لیکن اسلام کی آمد کے بعد شفاء خانوں کی بنیاد پڑ گئی۔

صحابیہ حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا نے مسجد نبوی ﷺ کے پاس ایک خیمہ لگا رکھا تھا جس میں وہ محض ثواب کی خاطر جنگ میں زخمی ہونے والے ان افراد کی مرہم پٹی اور علاج کرتی تھیں جن کی نگہداشت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی قوم سے کہا کہ وہ انہیں اس خیمہ میں رکھیں تا کہ وہ قریب رہیں اور عیادت کرنے میں آپ ﷺ کو آسانی ہو۔[37]

مساجد کی تعمیر

مساجد کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کی جاتی ہے، اس کی تعمیر براہِ راست عبادت میں تعاون ہے، لیکن دورِ اول میں مساجد عبادت کے علاوہ مسلمانوں کے تعلیمی، سماجی اور سیاسی مراکز کی بھی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کی حیثیت اب بہت کچھ بدل چکی ہے۔ رفاہی خدمات کے ذیل میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ بَنَى مَسْجِدًا يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللَّهِ بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الجَنَّةِ"[38]

"جس کسی نے اللہ کی رضا کی طلب میں کوئی مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس طرح کا گھر جنت میں بنائے گا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تعمیر مسجد بہت کارِ ثواب ہے۔ مسجد ایک بہت بڑا رفاہی ادارہ ہے، جس میں مسلمانوں کی عبادت و ملاقات سے لے کر معاملات کے فیصلے تک کیے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ جب کبھی سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے، لوگوں سے ملتے ان کے حالات معلوم کرتے بعض فیصلے کرتے اور بعد ازاں گھر تشریف لے جاتے۔ مسجد کی ہر جگہ تعلیمی مرکز کی حیثیت ہونی چاہیے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مسجد نبوی میں صفہ ایک ایسا ادارہ تھا جہاں خوراک اور لباس سے غریبوں کی مالی اعانت کی جاتی تھی۔ یہ بات بہت خوش آئند ہے کہ مغربی ممالک میں مساجد اخلاقی اداروں اور کمیونٹی سینٹرز کا کام سرانجام دے رہی ہیں۔ عبادت، تعلیم و تعلم اور شادی بیاہ جیسے امور وہاں سرانجام پاتے ہیں۔

کنویں کھدوانا

پانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی صاف پانی کی فراہمی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اسلام نے اس کی طرف جس طرح توجہ دلائی ہے۔ اس کا اندازہ اُوپر کی اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے جس میں بندگانِ خدا کے لیے نہر کی تعمیر کو صدقہ جاریہ کہا گیا ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو انھوں نے چاہا کہ ان کی طرف سے صدقہ و خیرات کریں، رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا صدقہ سب سے اچھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کنواں کھدوانا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی ماں کے نام سے کنواں کھدوایا۔[39]

خیر خواہی کا جذبہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ اُس وقت تک ایمان دار نہیں بن سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے"[40]

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ بات کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔ اس طرح کہ دونوں ملیں اور یہ ادھر منہ پھیر لے اور وہ ادھر منہ پھیر لے۔ سنو! ان دونوں میں اچھا وہ ہے جو سلام کرے"[41]

ریاست سے تعاون

خدمت خلق کا سب سے بڑا ادارہ ریاست ہے۔ افراد اور تنظیمیں ہزار طاقت ور سہی لیکن ان کی طاقت بہر حال محدود ہوتی ہے۔ ان کو اتنے وسائل و ذرائع حاصل نہیں ہوتے کہ ہر پہلو سے معاشرے کی خدمت کر سکیں اور اس کی تمام مشکلات کو حل کر دیں۔ ریاست غیر معمولی وسائل و ذرائع کی مالک ہوتی ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کر سکتی ہے۔ اس لیے ایک فلاحی ریاست کی یہ قانونی اور اخلاقی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کہ پورے معاشرے کی تعمیر اس ڈھنگ سے کرے کہ کوئی بھی شخص ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے اور اسے وہ تمام سہولتیں اور مواقع حاصل ہوں جو اس کی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ، وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَإِلَيْنَا"[42]

"جس نے مال چھوڑا وہ اُس کے ورثاء کے لیے ہے اور جس نے قرض چھوڑا وہ ہم پر ہے۔"

مسلمانوں کو خوش کرنا

مومن صرف اپنی ذات کے گرد نہیں گھومتا بلکہ اپنے دوسرے بھائیوں کے دکھ درد میں بھی شریک ہو کر ان کے دکھ درد کا مداوا کرتا ہے، جو بات انہیں دکھ پہنچاتی ہے، اسے دور کرتا ہے، اس کا حل تلاش کرتا ہے، اس سے نجات کی راہیں نکالتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے انسان سے خوش ہوتے ہیں جو اپنے مسلمان بھائی کا غم ہلکا کرتا ہے، اس کے دکھ بانٹتا ہے۔ بڑی نیکیوں میں سے ایک نیکی یہ بیان فرمائی کہ وہ بندہ بہت اچھا ہے جو کسی انسان کو خوش کرتا ہے، خاص طور پر ایسا انسان جو رنج و غم میں مبتلا ہو، کسی حادثے کا شکار ہو گیا اور کسی صدمے کی وجہ سے نڈھال رہا ہو، ایسے انسان کے پاس جانا، اس کا غم ہلکا کرنا اور اسے خوش کرنا نیکی کا کام ہے، اس مفہوم کی متعدد روایتیں ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا عمل سب سے زیادہ فضیلت والا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"أَنْ تُدْخِلَ عَلَى أَخِيكَ الْمُسْلِمِ سُرُورًا أَوْ تَقْضِي عَنْهُ دَيْنًا، أَوْ تُطْعِمَهُ خُبْزًا"[43]

"تم اپنے مسلمان بھائی کو خوش کر دو یا اس کا قرض ادا کر دو یا اسے کھانا کھلاؤ۔"

خلاصۂ کلام

قرآن کریم اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلامی تصورِ فلاح ایک جامع اور متوازن نظام پر مبنی ہے، جس میں انسان کی روحانی، اخلاقی، معاشرتی اور معاشی ضروریات کو یکساں اہمیت حاصل ہے۔ قرآن کریم نے عدل، تقویٰ، انسانی وقار، باہمی تعاون، انفاق اور حقوق العباد کو فلاحِ انسانی کے بنیادی اصول قرار دیا، جبکہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصولوں کو عملی معاشرتی نظام کی صورت میں پیش کیا۔

نبوی معاشرے میں مواخات، معاشی تعاون، کمزور طبقات کی کفالت، عدلِ اجتماعی اور انسانی حقوق کے تحفظ جیسے اقدامات اس امر کی واضح مثال ہیں کہ اسلامی فلاحی تصور فرد اور معاشرے دونوں کی اصلاح و ترقی کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اس تصور میں مادی ترقی کو اخلاقی اور روحانی اقدار سے جدا نہیں کیا گیا، بلکہ انسانی بہبود کو ذمہ داری، انصاف اور اجتماعی خیر کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے۔

عصرِ حاضر کے تناظر میں قرآن و سیرت کا یہ تصور غربت، معاشی ناہمواری، سماجی محرومی اور انسانی وقار کے مسائل سے نمٹنے کے لیے اہم رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا اسلامی نظریۂ فلاح محض ایک تاریخی تصور نہیں بلکہ موجودہ دور میں انسانی بہبود، سماجی انصاف اور پائیدار معاشرے کے قیام کے لیے ایک جامع اور قابلِ عمل فکری بنیاد فراہم کرتا ہے۔

---

[1]- Al-Qur’an, 2:2.
[2]- Al-Qur’an, 2:4–6.
[3]-Al-Qur’an, 2:7–8.
[4]- Al-Qur’an, 3:130.
[5] - Al-Qur’an, 3:200.
[6].Al-Qur’an, 5:35.
[7]. Al-Qur’an, 5:90.
[8] . Al-Qur’an, 6:21.
[9] . Al-Qur’an, 7:7.
[10] . Al-Qur’an, 7:8.
[11] . Al-Qur’an, 7:157.
[12] . Al-Qur’an, 3:75.
[13] . Al-Qur’an, 9:88.
[14] . Al-Qur’an, 10:17.
[15] . Al-Qur’an, 16:116.
[16] . Al-Qur’an, 22:77.
[17] . Al-Qur’an, 23:1.
[18] . Al-Qur’an, 23:117.
[19] . Al-Qur’an, 30:30.
[20] . Aḥmad ibn Ḥanbal, al-Musnad (Beirut: Muʾassasat al-Risālah, 1999), ḥadīth no. 7942.
[21] . Ibn Manẓūr al-Afrīqī, Lisān al-ʿArab, vol. 4 (Beirut: Dār Ṣādir, 1990), 547.
[22]. Al-Qur’an, 91:9.
[23]. Al-Qur’an, 23:1.
[24] . Al-Qur’an, 7:185.
[25]. Aḥmad ibn Ḥanbal, al-Musnad, Bāb Ḥadīth Rabīʿah ibn ʿAbbād al-Dīlī, ḥadīth no. 16023.
[26] . Al-Qur’an, 62:6.
[27] . Al-Qur’an, 2:262.
[28] . Al-Qur’an, 2:219.
[29]. Amīn Aḥsan Iṣlāḥī, Tadabbur-i Qur’an, vol. 1 (Lahore: Fārān Foundation, 1403 AH), 471.
[30]- Alāʾ al-Dīn ʿAlī ibn Ḥusām al-Dīn, Kanz al-ʿUmmāl, (Karachi: Dār al-Ishāʿat), ḥadīth no. 44154.
[31]- Qāḍī Sulaymān Manṣūrpūrī, *Raḥmat li-l-ʿĀlamīn*, vol. 1 (Faisalabad: Markaz al-Ḥaramayn al-Islāmī), 43.
[32]-Al-Qur’an, 21:107.

[33]- Ibn Mājah, ʿAbd Allāh ibn Yazīd, al-Sunan, Bāb Faḍl al-ʿUlamāʾ wa al-Ḥathth ʿalā Ṭalab al-ʿIlm (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Kutub al-ʿArabiyyah, n.d.), ḥadīth no. 224.
[34]- Al-Qur'an, 35:28.
[35]-Imām al-Ḥākim al-Naysābūrī, al-Mustadrak ʿalā al-Ṣaḥīḥayn, Bāb wa minhum Yaḥyā ibn Abī al-Muṭāʿ al-Qurashī (Beirut: Dār al-Fikr, 1990), ḥadīth no. 341.
[36]- Ibn ʿAbd al-Barr, Jāmiʿ Bayān al-ʿIlm, vol. 1 (Beirut: Dār al-Fikr), 15.
[37]- Ibn Hishām, Sīrat al-Nabī ﷺ, vol. 3 (Lahore: Idārah Islāmiyyāt), 258.
[38] -Abū ʿAbd Allāh Muḥammad ibn Ismāʿīl al-Bukhārī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, Bāb Man Banā Masjidan (Egypt: Dār Ṭawq al-Najāh, 1422 AH), ḥadīth no. 450.
[39]- Abū Dāwūd, Sulaymān ibn al-Ashʿath, al-Sunan (Beirut: al-Maktabah al-ʿAṣriyyah, n.d.), ḥadīth no. 152.
[40]- al-Bukhārī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, Bāb min al-Īmān an Yuḥibba li-Akhīhi mā Yuḥibbu li-Nafsihi, ḥadīth no. 13.
[41]- al-Bukhārī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, Bāb Man Intaẓara Ḥattā Tudfana, ḥadīth no. 6077.
[42]- Muslim ibn al-Ḥajjāj, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, Bāb al-Ṣalāh ʿalā Man Taraka Daynan, ḥadīth no. 4161.
[43]- Aḥmad ibn al-Ḥusayn ibn ʿAlī al-Bayhaqī, Shuʿab al-Īmān, ḥadīth no. 7678.